شکرِ نعمت

وعظ

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

دنیا میں صبر کا مقام کوئی ہے ہی نہیں۔ انسان جس حالت میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے اس پر اتنے احسانات ہیں کہ انسان کسی طرح بھی ان کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

- ایمان ○○○ کی نعمت پر شکر ادا کریں۔
- کھانے ○○○ کی نعمت پر شکر ادا کریں۔
- پانی ○○○ کی نعمت پر شکر ادا کریں۔
- لباس ○○○ کی نعمت کا شکر ادا کریں۔
- مکان ○○○ کی نعمت پر شکر ادا کریں۔
- گاڑی ○○○ کی نعمت پر شکر ادا کریں۔

نہیں ہوتا ادائے حقِ نعمت کچھ نہیں ہوتا
اگرچہ دِل ہے وقفِ سجدۂ شکرانہ برسوں سے

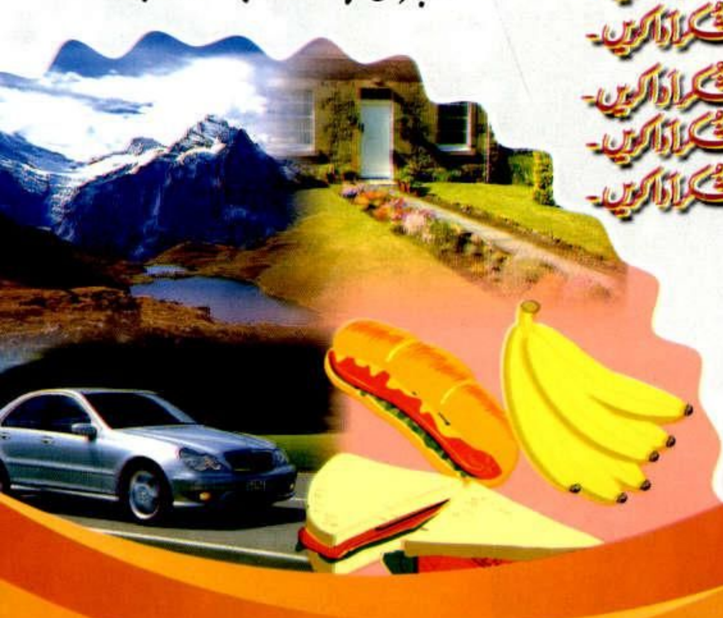

کتاب گھر
ناظم آباد ۴ ۔ کراچی ۷۵۶۰۰

شکرِ نعمت

وعظ

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

کتاب گھر
ناظم آباد ۴ — کراچی ۷۵۶۰۰

وعظ: فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ

نام: شکرِ نعمت

بتاریخ: ۲۰ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

بمقام: جامع مسجد دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

بوقت: بعد نمازِ عصر

تاریخ طبع: جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

مطبع: حسان پرنٹنگ پریس فون: ۶۶۴۱۰۱۹-۰۲۱

ناشر: کتاب گھر، ناظم آباد نمبر ۴ کراچی ۷۵۶۰۰

فون: ۶۶۰۲۳۶۱-۰۲۱ فیکس: ۶۶۲۳۸۱۴-۰۲۱

ملنے کے پتے

1. پورے پاکستان میں ”ضرب مؤمن“ کے تمام دفاتر میں دستیاب۔
2. دار الاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔
3. ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور۔
4. ادارۃ المعارف، دار العلوم، کراچی۔
5. مظہری کتب خانہ، گلشن اقبال، کراچی۔
6. میمن اسلامک پبلشرز، لیاقت آباد ۱/۱۸۸، کراچی۔
7. اقبال بک ڈپو، صدر، کراچی۔

فہرست

"شُکرِ نعمت"

عنوان	صفحہ
ہر مقام مقامِ شکر	۵
شاکر دل کی علامت	۸
شدت مرض میں غلبۂ شکر	۹
الحمدللہ خیر ہوگئی	۱۰
حضرت یوسف علیہ السلام کا مقامِ عبدیت	۱۲
حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقام عبدیت	۱۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبدیت	۱۵
نعمتوں کا سوال ہوگا	۱۶
اہلِ جنت کا آخری کلمہ	۱۸
ایمان سب سے بڑی نعمت	۱۹
بندوں پر اللہ کی رحمت	۲۱
قرآن کا حق	۲۳
نعمت میں ترقی کا نسخہ	۲۴
ایک اشکال	۲۵

صفحہ	عنوان
۲۵	قدرِ نعمت کی ایک مثال
۲۶	بعض خصائل میں التباس
۲۷	شکرِ نعمت کے فائدے
۲۸	شکر کی حقیقت
۲۹	بدوی کا قصہ
۳۱	اضافہ از جامع
۳۲	آخری ایام میں حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ

شکرِ نعمت

(۲۰/ربیع الاول ۱۴۰۴ھ)

یہ وعظ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ اصلاح سے نہیں گزارا جاسکا اس لیے اس میں کوئی نقص نظر آئے تو اسے مرتب کی طرف سے سمجھا جائے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖٓ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وقال تعالیٰ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۝

ہر مقام مقامِ شکر:

انسان سوچتا ہی نہیں کہ اللہ کے کتنے احسانات ہیں۔ ذرا سی عقل ہو ذرا سی عقل تو

سوچے، غور وفکر کرے کہ اللہ کے کتنے احسانات ہیں، کیسا کرم ہے، کتنی نعمتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مقامِ صبر ہے ہی نہیں، ہر مقام مقامِ شکر ہی ہے۔ یہ تو انسان کی ناشکری، ناقدری، بے ہمتی اور ہوس کی بات ہے اگر وہ یہ سمجھے کہ اس کے پاس نعمتیں نہیں وہ صبر کر رہا ہے۔ دنیا میں صبر کا مقام کوئی ہے ہی نہیں۔ انسان جس حالت میں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کے احسانات اتنے ہیں کہ انسان کسی طرح بھی ان کا شکر ادا نہیں کرسکتا ؎

نہیں ہوتا ادائے حق نعمت کچھ نہیں ہوتا
اگر چہ دل ہے وقف سجدۂ شکرانہ برسوں سے

سر تو سجدہ کرتا ہی ہے مگر جس میں صلاحیت ہو اس کا دل بھی سجدہ کرتا ہے بلکہ ہر وقت سجدۂ شکر کے لیے وقف ہو کر اپنے محسن حقیقی و منعم حقیقی کے سامنے جھکا رہتا ہے دنیا میں ہر مقام شکر کا مقام ہے، صبر کا اجر تو اللہ تعالیٰ ایسے ہی مفت میں عطاء فرمادیتے ہیں بندے کی بے ہمتی کے پیش نظر ورنہ درحقیقت مقامِ صبر تو ہے ہی نہیں۔ دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب نعمتیں نہ ہوں:

وَاٰتٰكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ‌ ؕ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ۝ (۱۴-۳۴)

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر اس چیز سے حسب حکمت ومصلحت حصہ دیا جو تم زبان یا حال سے چاہتے تھے۔“

یعنی زبان سے سوال کے بغیر ہی تمہارے حال کے مطابق تمہاری ضرورت کی چیزیں تمہیں عطاء کیں ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہیں کرسکتے، بلاشبہ انسان بڑا ظالم بڑا

ناشکرا ہے۔ ظالم سے مراد ہے نافرمان کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟

یہ انسان بڑا ناشکرا ہے، بڑا ظالم ہے، اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے، نعمتوں کا اقرار نہیں کرتا، نعمتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا، نہ تو زبان سے شکر اداء کرتا ہے نہ ہی عمل سے۔ ایک تو اِنَّ میں تاکید، لام میں تاکید، جملہ اسمیہ اور لام جواب قسم، چار تاکیدوں کے ساتھ فرماتے ہیں اور قسم اُٹھا کر فرماتے ہیں کہ بڑا ظالم ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے پھر **ظَلُوْمٌ** مبالغہ کا صیغہ اور **كَفَّارٌ** بھی مبالغہ کا صیغہ یعنی یہ چھوٹا سا ناشکرا نہیں بلکہ بہت بڑا ناشکرا ہے۔ (حاضرین میں سے کسی کو جمائی آئی تو اس نے منہ پر ہاتھ نہیں رکھا اس پر حضرت اقدس نے فرمایا) جب جمائی آئے منہ پر ہاتھ رکھا کریں پہلے تو روکنے کی کوشش کیا کریں نہ رکے تو بائیں ہاتھ کی پشت رکھا کریں۔ یہ بات شروع ہی سے بچوں کو بتانی چاہیے مگر جہالت اور غفلت نے اس قوم کو خراب کر دیا۔ جب بچہ چھوٹا ہو تو جیسے ہی جمائی لے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیں، کہیں ہاتھ ایسے نہ رکھیے گا کہ اس کا دم ہی گھٹ جائے۔ بچہ کا منہ تو چھوٹا سا ہوتا ہے بس ایک اُنگلی رکھ دی کافی ہے پھر جیسے جیسے بچہ بڑا ہوگا اور وہ بڑوں کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ سمجھ جائے گا کہ یہ ضروری کام ہے وہ کسی کے کہے بغیر خود بخود کرنے لگے گا۔ جو کام آپ کے والدین کو کرنے چاہیے تھے وہ کام میں کر رہا ہوں خاص طور پر دو کاموں کی ہدایت ایک یہ کہ جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھا کریں دوسرا یہ کہ نماز میں ہاتھ نہ ہلایا کریں۔ یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیں اپنے بچوں کو بتایا کریں۔ جب انہیں نماز سکھائیں تو سب سے پہلے یہ بتائیں کہ نماز میں ہاتھ ہرگز نہ ہلائیں۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ مقامِ صبر تو دنیا میں ہے ہی نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اگر کوئی بندہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ صبر کر رہا ہے تو اس کے گمان کے مطابق اسے صابرین کی فہرست میں داخل فرما لیتے ہیں۔

شاکر دل کی علامت:

سب سے بڑا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دیں۔ دراصل شکر تو دل کا ہوتا ہے اور دل شاکر بنایا نہیں اس کی علامت کیا ہے؟ ایک علامت تو اس کی فریب والی ہے کہ بس زبان سے کہتے رہیں الحمدللہ! الحمدللہ!! اللہ تیرا شکر ہے۔ دوسری علامت حقیقی ہے یعنی گناہ چھوٹ جائیں زبان کے ساتھ ساتھ پورا جسم شکرگزار بن جائے ؎

افادتکم النعماء منی ثلثۃً

یدی ولسانی والضمیر المحجبا

شاعر بادشاہ سے کہتا ہے کہ آپ کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ میری تین چیزوں کے مالک بن گئے ہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں آپ ہی کی خدمت واطاعت میں لگے رہتے ہیں اور میری زبان کے مالک بھی آپ ہی بن گئے وہ بھی آپ ہی کی تعریف میں ہر وقت تر رہتی ہے، ہمہ وقت آپ کے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ سینے میں چھپا ہوا دل بھی آپ ہی کا ہو گیا ؎

زخمی بھی کیا کس کو سینے میں چھپے دل کو
شاباش او تیر افگن! کیا خوب نشانہ ہے

یا اللہ! اپنی رحمت سے سب کے قلوب کے ساتھ اپنی محبت کا یہی معاملہ فرما دے ع

شاباش اور تیر افگن کیا خوب نشانہ ہے

ایک شاعر اپنے ہی جیسے ایک فانی مخلوق کے بارہ میں کہتا ہے کہ تیرے احسانات نے میرے دل کو خرید لیا اس میں غیر کا کوئی وسوسہ نہیں آتا، دوسرے کی طرف کوئی توجہ نہیں یہ دل تو بس اب تیرا ہی ہو گیا ؎

خذوا فؤادی ففتشوہ وقلبوہ کما تریدوا

فلن تحسوا بہ سواکم زیدوا علی الحضور زیدوا

''میرے محبوب! میرے دل کو پکڑ لے پھر اسے چیر کر خوب اُلٹ پلٹ کر دیکھ، تجھے اس میں تیرے سوا کچھ نہیں ملے گا، مجھ پر اور زیادہ سے زیادہ توجہ فرما۔''

یہ ہے محبت، اللہ کی محبت ایسی پیدا ہو جائے۔ دل کے خیالات، رجحانات، تمنائیں ساری کی ساری بس صرف اسی کی طرف متوجہ رہیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ وَاجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

جس دل میں اللہ کی محبت آجاتی ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ یا اللہ! میرے دل کے وساوس، میرے دل کے خیالات کیا ہوں؟ **خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ** بس تیرے ہی خیالات آتے رہیں تیرا خوف اور تیرا ذکر، بس اس کے سوا اس دل میں کچھ نہ رہے۔ اللہ کے خوف کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ! کوئی ایسی چیز ہیں جن سے ڈرا جائے جیسا کہ ظالم جابر بادشاہ سے ڈرا جاتا ہے، اللہ سے ڈرنا یوں نہیں، اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوف اللہ کی محبت کا عکس ہے، اس کے تابع ہے، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جتنی بڑھتی جائے گی اس کا ڈر بھی بڑھتا جائے گا کہ کہیں محبوب ناراض نہ ہو جائے اگر کوئی بات ذراسی بھی محبوب کی رضا کے خلاف ہوگئی تو پھر کیا بنے گا۔ یہ خوف ہوتا ہے محبوب کی ناراضی کا۔

وَاجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

میرے اہم مقاصد میری کوششیں، میری محنتیں ساری کی ساری اسی میں رہیں کہ تو راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سب کے حق میں یہ دُعاء قبول فرمائیں۔

شدتِ مرض میں غلبۂ شکر:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب

رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قصہ بیان فرمایا، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں بہت اونچے درجے کے استاذ اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ انہیں ایک بار بخار ہو گیا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے پوچھا:

''حضرت کیسے مزاج ہیں؟'' فرمایا:

''الحمدللہ! کان صحیح ہیں، الحمدللہ! آنکھ صحیح ہے، الحمدللہ! زبان صحیح ہے، الحمدللہ! ہاتھ صحیح ہیں، الحمدللہ! پاؤں میں تکلیف نہیں، الحمدللہ! سر میں درد نہیں۔''

مزاج جو بتانا شروع کیا تو ایک ایک عضو پر الحمدللہ! الحمدللہ! اور جو بخار کی تکلیف تھی اس کا ذکر تک نہ کیا۔ جب دل شاکر بن جاتا ہے تو اسے تو ہر طرف نعمتیں ہی نعمتیں نظر آتی ہیں بظاہر اگر کوئی تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میرے رب کی طرف سے جو بھی معاملہ ہے اسی میں میری بہتری ہے لہٰذا وہ مصیبت پر بھی شکر اداء کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''جب انسان پر کوئی مصیبت آئے تو اس پر تین شکر واجب ہیں:

① الحمدللہ! کہ یہ مصیبت دنیوی ہے دینی نہیں، دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

② الحمدللہ! چھوٹی مصیبت ہے بڑی مصیبت نہیں۔ دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبتیں ہیں۔

③ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر صبر کی توفیق عطاء فرمائی جزع وفزع سے حفاظت فرمائی۔''

الحمدللہ خیر ہوگئی:

ایک بزرگ کی یہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی ان سے کسی تکلیف کا ذکر کرتا تو فرماتے:

''الحمد للہ خیر ہوگئی۔''

ایک شخص کا جوان بیٹا فوت ہوگیا تو انہوں نے حسبِ معمول وہی جواب دیا الحمد للہ! خیر ہوگئی، اسے بہت غصہ آیا اور اس نے ٹھان لیا کہ انہیں کوئی زبردست چوٹ لگا کر پوچھوں گا کیا حال ہے؟ پھر دیکھوں گا کیا جواب دیتے ہیں۔ یہ بزرگ گاؤں میں رہتے تھے، دیہاتیوں کے دستور کے مطابق قضاء حاجت کے لیے گاؤں سے باہر جاتے تھے۔ اس شخص کو ان کے باہر جانے کا وقت اور راستہ معلوم تھا۔ لاٹھی لے کر اس راستے میں کسی جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا کہ جب یہاں سے گزریں گے تو لاٹھی مار کر پوچھوں گا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یوں دستگیری فرمائی کہ ان کے کمرے کے دروازے کی اونچائی کم تھی جس میں سے سر جھکا کر گزرنا پڑتا تھا۔ اس روز باہر نکلنے لگے تو سر جھکانے کا خیال نہ رہا، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت دکھانے کے لیے سر جھکانے سے غفلت طاری فرمادی، سر چوکھٹ سے ٹکرا گیا، زخم ہوگیا، گھر ہی میں اجابت سے فارغ ہوئے، سر پر پٹی باندھی۔ ادھر وہ شخص انتظار کر کے مایوس ہوگیا تو ان کے گھر پہنچا دیکھا کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے، پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے حسب معمول وہی جواب دیا: ''الحمد للہ! خیر ہوگئی۔'' اس نے دل میں کہا کہ خیر ہی ہوگئی ورنہ میں خیر بناتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت جو بصورت زحمت ظاہر ہوئی اس میں کئی فائدے ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ کو چھوٹی چوٹ لگا کر بڑی چوٹ سے بچالیا۔

② اس شخص کو بہت بڑے گناہ سے بچالیا۔

③ اگر وہ شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تو ان بزرگ کے قلب میں رنجش پیدا ہوتی پھر اگر یہ معاف بھی فرمادیتے تو شاید اللہ تعالیٰ اسے معاف نہ فرماتے دنیا اور آخرت میں کوئی عذاب اس پر مسلط فرماتے۔

④ دین دار لوگ بلکہ بے دین بھی جنہیں بزرگوں سے تھوڑا بہت انس ہوتا ہے وہ

سب اس کے دشمن ہو جاتے اور اسے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے کچھ بعید نہیں کہ قتل ہی کر دیتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مقام عبدیت:

حضرت یوسف علیہ السلام پر کتنے بڑے بڑے مصائب آئے:

① بچپن ہی میں بھائیوں نے لے جا کر کنویں میں پھینک دیا اندازہ لگائیں کہ کم سن بچے کو کنویں میں پھینک دیا جائے تو اس پر کیا گزرے گی۔

② کنویں سے نکالنے والوں نے بازار میں لے جا کر فروخت کر دیا۔ نہ صرف نبی زادے بلکہ خود بھی نبی بننے والے تھے اور نبی نبوت ملنے سے پہلے ولی ہوتا ہے، والدین نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔

③ اس برگزیدہ ہستی کو غلام بنالیا گیا، غلاموں کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

④ ابا کی جدائی کا صدمہ۔

⑤ ان سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت زلیخا کی جس سے دنیا و آخرت دونوں تباہ ہونے کا خطرہ۔

⑥ کئی سال جیل میں رہنے کی مصیبت۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے چھ کام کیے:

① سب سے پہلے نفس و شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ طلب کی۔

② اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی شان تربیت کا مراقبہ کیا:

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ o وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ (۱۲-۲۳،۲۴)

ایسے محسن کو ناراض کر دوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا، کچھ بھی ہو جائے میں اس مالک کو کبھی

ناراض نہیں کرسکتا۔ سب سے پہلی بات یہ سوچی، اسی لیے تو بتایا جاتا ہے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ اور مراقبہ کیا کریں، یہ سوچا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں، یہ دنیا فانی ہے، یہ لذتیں سب ختم ہوجانے والی ہیں، ایک دن مرنا ہے، پھر جان کیسے نکلے گی، عذاب قبر کو سوچا کریں، اس کے بعد پھر مالک کے حضور پیشی ہوگی اور پھر جنت یا جہنم۔ جہنم کی وعیدیں تو گدھوں کے لیے ہیں، گدھوں کے لیے۔ اگر کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا سا بھی تعلق ہو وہ تو یہی سوچ سوچ کر مرا جاتا ہے کہ کہیں مالک کی نظر نہ ہٹ جائے، کوئی کام مالک کی رضا کے خلاف نہ ہوجائے، اس کے لیے تو ہزاروں جہنموں سے بڑھ کر جہنم یہ ہے کہ مالک کی نظر ہٹ گئی۔ مگر آج کا مسلمان اس سے تو کیا ڈرے وہ تو جہنم سے بھی نہیں ڈرتا یہ تو بڑا بہادر ہے، بہت بہادر ہے۔

③ ابتلاء سے بچنے کی کوشش کی اور بھاگے۔ اگر سوچتے کہ دروازے تو مقفل ہیں تو بھاگنے سے کیا فائدہ، مبتلا ہوجاتے بچ نہ سکتے۔ یہ سوچا کہ جو کرسکتا ہوں وہ تو کروں آگے میرا مالک میری مدد کرے گا، وہ وہاں سے بھاگے اور اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی دروازے خود بخود کھل گئے۔

یہ تین تدبیریں تو زلیخا کے پہلے حملہ کے وقت فوری طور پر کیں، پھر آیندہ کے لیے حفاظت کی مزید تین تدبیریں اختیار کیں:

① محبوب حقیقی کی ناراضی سے بچنے کے لیے بڑی سے بڑی مشقت ومجاہدہ خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا عزم ظاہر فرمایا، زلیخا نے جیل میں ڈالنے اور ذلیل کرنے کی دھمکی دی تو محبوبِ حقیقی کی ناراضی سے بچنے کا ذریعہ بننے والی جیل محبوب ہوگئی۔

② اپنے رب کریم کے سامنے اپنی عاجزی پیش کرکے اس ابتلاءِ عظیم سے بچنے کی دُعاء کی۔

③ اس قدر معجزانہ بلند ہمتی کے ساتھ اپنی ہمت پر نظر رکھنے کی بجائے اپنے رب کریم کی دستگیری پر نظر رکھی۔

مجموعہ چھ تدبیریں ہوگئیں، آخری تین تدبیروں کا بیان ان آیتوں میں ہے:

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

(۱۲-۳۲،۳۳)

پھر امتحان میں اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوجانے کے بعد بھی اپنے کمال پر نظر جانے کی بجائے اپنے رب کریم کی رحمت پر نظر رہی:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۱۲-۵۳)

پھر جب جیل سے رہائی ہوئی اور بہت مدت کے بعد والد سے ملاقات ہوئی تو اتنی بڑی بڑی تکلیفوں میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں کیا اپنے رب کریم کے احسانات ہی گنوا رہے ہیں:

وَقَدْ اَحْسَنَ بِىْٓ اِذْ اَخْرَجَنِىْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ ۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اِخْوَتِىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (۱۲-۱۰۰)

کئی سال جیل میں رہنے کی تکلیف کا کوئی ذکر نہیں کیا جیل سے نکالے جانے کی رحمت کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح ابا سے فراق کی پریشانی کا ذکر نہیں کیا دوبارہ ملاقات کی نعمت کا ذکر فرمایا۔

تیسری بات یہ کہ کہیں ابا کو بھائیوں سے کچھ نفرت پیدا نہ ہوجائے اور بھائیوں کو بھی اپنے کیے پر شرمندگی نہ ہو اس بارے میں کیا عجیب ارشاد ہے:

نَزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اِخْوَتِىْ

''وہ تو شیطان نے کروادیا تھا بھائیوں کا کوئی قصور نہیں۔''

اور بھائیوں سے انتقام لینے یا شکایت کرنے کی بجائے انہیں بالکل معاف کردیا پھر مزید احسان یہ کہ ان کے لیے مغفرت کی دُعاء بھی کردی:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ (۱۲-۹۲)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقامِ عبدیت:

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی طرف سے ایسی سخت اذیت پہنچی کہ بینائی جاتی رہی اور مرنے کا خطرہ ہوگیا مگر سب کو بالکل معاف فرمادیا، اور مزید دُعاءِ مغفرت سے بھی نوازا:

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (۱۲-۹۸)

ایسے ہوتے ہیں شاکر بندے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقامِ عبدیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ (۲۶-۷۹،۸۰)

''میرا اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔''

اگر اپنے ہاتھ کی کمائی ہے تو صلاحیت کس نے دی؟ کمانے کے مواقع کس نے دیے؟ اس میں برکت کس نے دی؟ خسارے اور نقصان سے بچایا تو کس نے بچایا؟ سب اسی کا کرم ہے اسی کی عطاء ہے۔

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء دیتا ہے۔''

درحقیقت بیماری اور شفاء دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ مجھے بیمار بھی کرتا ہے اور شفاء بھی دیتا ہے۔ یہ عبدیت اور ادب کا مقام ہے کہ بیماری کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور شفاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف۔ شکر کی وجہ سے دل میں ادب پیدا ہوجاتا ہے۔

نعمتوں کا سوال ہوگا:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار چند رفقاء کے ساتھ کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ راستے میں ایک شخص پر گزر ہوا جو بہرا، اندھا، گونگا تھا اور جذام کی وجہ سے اس کی کھال بھی خراب ہورہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں رُک گئے اور فرمایا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ○ (۱۰۲-۸)

جب ہمارے ہاں پیشی ہوگی تو ہم نعمتوں کے بارہ میں پوچھیں گے کہ نعمتوں کا کیا شکر اداء کیا؟ پھر بات دل میں اُتارلیں کہ نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ منعم کی، محسن کی نافرمانی چھوڑ دی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رفقاء سے پوچھا کہ کیا اس شخص سے بھی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟ ساتھیوں نے عرض کیا کہ اس بے چارے کے پاس ہے ہی کیا، مال ومنصب وغیرہ تو رہے الگ اس کے پاس تو دیکھنے، سننے اور بولنے تک کی صلاحیتیں نہیں حتیٰ کہ اس کی کھال تک گلی سڑی ہے۔ کیا اس سے بھی سوال ہوگا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں اس سے بھی سوال ہوگا، یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے کھانے، پینے اور ان کی نکاسی کے راستے اللہ تعالیٰ نے بند نہیں کیے وہ صحیح ہیں۔ یہ تو آپ نے ایک مثال بیان فرمادی ورنہ جسم کے اندر کتنے اعضاء ہیں۔

دنیا میں انسان کیسی ہی حالت میں ہو وہ مقام صبر نہیں مقام شکر ہے کیوں کہ اللہ

تعالیٰ کے احسانات، اس کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔ انسان کیسے کہہ دیتا ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت نہیں، یہ نعمت نہیں۔ اتنے بڑے محسن کے احسانات کا انکار کرتے ہوئے ذرا بھی تو شرم نہیں آتی، احسانات کو، نعمتوں کو نہیں سوچتے، مصیبت کو سوچتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر دل میں اُتر جاتا ہے تو پھر وہ کسی مصیبت میں پریشان نہیں ہوتا وہ تو خوش ہی رہتا ہے اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بھی اس کا فائدہ ہے۔ اس لیے اسے مصیبت میں بھی لذت محسوس ہوتی ہے ؎

ہمدم جو مصائب میں بھی ہوں میں خوش وخرم
دیتا ہے تسلی کوئی بیٹھا مرے دل میں
روتے ہوئے اک بار ہی ہنس دیتا ہوں مجذوب
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

ایک مدت تک میں یہ کہتا تھا کہ میں یہ شعر دوسروں کے لیے پڑھتا ہوں، اپنے لیے کبھی نہیں پڑھتا بہت ڈرتا ہوں اس لیے کہ مجھ پر تو اللہ نے کبھی کوئی مصیبت ڈالی ہی نہیں، پھولوں کی طرح رکھا۔ یا اللہ! ہر آیندہ لحہ گزشتہ سے بہتر بنادے۔ میں یہ شعر پڑھتے ہوئے بہت ڈرتا تھا۔ ابھی چند روز ہوئے اس کا ایک مطلب اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈال دیا وہ یہ کہ دوسروں کے مصائب سُن سُن کر دنیا پریشان ہو رہی ہے، ڈر رہی ہے مگر میں دوسروں کے مصائب کے بارہ میں سُن کر بھی پریشان نہیں ہوتا ؎

مجھے یاس کیوں ہو کہ وہ دل میں بیٹھے
برابر تسلی دیے جارہے ہیں
کیا جب کبھی یاد میں نے ہے ان کو
تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آرہے ہیں

مقام شکر ایسی چیز ہے کہ اس کا موقع ہر حالت میں اور ہر وقت میں ہوتا ہے، دوسری چیزیں جو ہیں کبھی اُن کا موقع ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، اور کبھی وقت ان کا ختم ہو جاتا

ہے، خاص طور پر مرنے سے سارے اعمال ختم ہوجاتے ہیں، مگر شکر ایسی چیز ہے کہ ہر آن یں ہر حالت میں شکر اداء کرنے کا موقع موجود ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ o (۲-۱۵۵،۱۵۶)

کسی تکلیف میں، کسی مصیبت، میں، کسی مرض میں، مالی جانی نقصان میں صبر کیجیے! یہ جو صبر کا حکم ہے وہ تو صرف اجر دلانے کے لیے ہے انسان کے ضعف کی بنا پر ہے کہ صبر کرو ورنہ حقیقت یہ ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو کتنی بڑی مصیبت ہو، پھر بھی مقامِ شکر ہی ہے، مصیبت میں بھی مقامِ صبر نہیں، مقامِ شکر ہے۔

حقیقت میں تو یوں ہی کہنا چاہیے کہ انسان پر جتنے بھی حالات گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اگر کبھی کسی تکلیف میں یا آزمائش میں مبتلا کردیا تو وہ بھی درحقیقت مقامِ صبر کی بجائے مقامِ شکر ہے، بڑی مصیبتوں سے بچالیا، بڑی تکلیفوں سے بچالیا۔

جنت کا آخری کلمہ:

دنیا میں تو ہر حالت مقامِ شکر ہے ہی، اور جنت میں جانے کے بعد وہاں بھی یہ رہے گا:

وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o (۱۰-۱۰)

اہلِ جنت آپس میں باتیں کرتے کرتے پھر جہاں کوئی بات ختم ہوئی: **وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o** پھر باتوں میں شروع ہوں گے، باتیں کرتے کرتے پھر جب بات ختم ہوگی تو: **وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o** مزا ہی آجائے گا جب وہاں جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جنت کی کیفیات کو، حالات کو، نعمتوں کو سوچا کریں، اتنا سوچیے کہ یوں معلوم ہونے لگے کہ پہنچ ہی گئے۔ جنت کی نعمتوں کو سوچنے سے رغبت بڑھتی ہے، جتنی رغبت بڑھے گی اُسی حد تک اطاعت کی توفیق بڑھے گی اور گناہوں سے بچنے کی ہمت بلند ہوگی۔ شکر ایسی چیز ہے کہ

دنیا میں بھی ہر حالت میں اور یہاں سے گزرنے کے بعد جنت میں بھی یہ عبادت ختم نہیں ہوگی بلکہ سب سے بڑی بات یہی ہوگی: **وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o** جنت والی عبادت تو ابھی سے شروع کر دیجیے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ یہ شکر دنیا میں جب ادا کرنے کی توفیق ہو جائے گی تو وہی پھر جنت میں بھی اللہ تعالیٰ عطاء فرما دیں گے۔

ایمان سب سے بڑی نعمت:

اگر کسی مرض میں مبتلا ہو، یا مالی تنگی ہو تو بھی نعمتیں زیادہ ہیں۔ ہزاروں مخلوق سے زیادہ دے رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے، دنیاوی نعمتوں کو سوچتا رہے۔ اس سے بھی بڑھ کر کہیں زیادہ ایمان کی نعمت ہے، ایمان کی نعمت سب نعمتوں سے بڑھی ہوئی ہے، اس میں بڑی غفلت ہوتی ہے، بہت کوتاہی ہوتی ہے، دنیا کی نعمتوں پر تو پھر بھی کبھی انسان الحمد للہ! کہہ ہی لیتا ہے لیکن ایمان کی نعمت پر کبھی خیال نہیں جاتا کہ یہ نعمت کسبی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ پہلی بات تو یہ سوچی جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ کفار کے گھر میں پیدا کر دیتے، کسی عیسائی، یہودی، سکھ، ہندو کے گھر میں پیدا کر دیتے، تو کیا ہمارا یہ اختیار تھا کہ ہم کہتے کہ وہاں پیدا نہیں ہوں گے، کسی مسلمان کے گھر میں ہی پیدا ہوں گے، محض ان کا کرم و احسان ہے کہ مسلمان کے گھر میں پیدا کیا تو پیدائشی مسلمان ہو گئے۔ دنیا میں دیکھا جائے کہ کفار کتنے مسلمان ہوتے ہیں، کبھی کبھار کہیں کروڑوں میں سے کتنے سالوں کے بعد کوئی خبر آتی ہے کہ فلاں مسلمان ہو گیا تو معلوم ہوا کہ غور و خوض، تفکر و تدبر، دلائل کو کام میں لانا، اس کے لحاظ سے ایمان اختیار کرنا، یہ بالکل ایسا نادر ہے کہ کالعدم ہے، پھر اگر انہیں توفیق ہو بھی جاتی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، کسی کافر کو توفیق ہو گئی تو وہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے دستگیری فرمائی ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کا کرم شامل حال نہ ہوتا، اسے کہاں سے یہ توفیق ہوتی، تو ایمان پر شکر ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے

ایمان کی دولت عطاء فرمائی اور اتنی آسانی سے یہ دولت عطاء فرمادی کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوگیا۔ مسلمان تو روزِ اول سے بھی تھے جب کہہ دیا:

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی (۷-۱۷۲)

تو جب ہی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمان بنالیا اسی وقت سے اب اُن کا کرم یہ ہے کہ بعض ارواح کو بھیج دیا کفار میں مگر ہمیں مسلمانوں میں ہی پیدا کیا تو جو شروع میں ایمان کی دولت عطاء فرمادی تھی اس کی حفاظت فرمائی، اسے ضائع نہیں ہونے دیا، مسلمان کے گھر میں پیدا فرمایا، جہاں تک ہمارا اختیار نہیں تھا اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی جب تک نابالغ رہے تو اختیار کے باوجود بھی زبردستی اسلام سے چمٹائے رکھا، نابالغ اگر کفریہ کلمہ بک دے یا یہ کہہ دے کہ میں کافر ہوگیا دوسرا مذہب اختیار کرلیا مگر اس کے والدین مسلمان ہیں تو اللہ تعالیٰ زبردستی اسلام سے چمٹاتے ہیں۔ ہم نے کتے کے گلے میں پٹا ڈال دیا ہے جہاں بھی بھاگتا رہے یہ ہمارا ہی ہے، زبردستی اپنا بنایا، یہ ان کا کیسا کرم ہے اور اگر بالغ ہوکر بھی بغاوت کرتا ہے تو اتنی مدت ہم نے حفاظت کی اگر اب بھی بھاگ رہے ہو تو جاؤ جہنم میں، پھر اس سے دستگیری اور کرم اللہ تعالیٰ کا ختم ہوجاتا ہے۔ کیا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ شروع میں ہی زبردستی مسلمان بنادیا، پھر پیدا ہونے تک جب ہمارا اختیار نہیں تھا تو مسلمان رکھا، مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا، پھر بالغ ہونے تک کچھ تھوڑی بہت عقل بھی ہے اختیار بھی ہے، تو بھی مسلمان بنائے رکھا، ایسا چپکا دیا کہ کھرچنے سے بھی نہ ہٹے، محض اُن کا کرم ہے، اُن کا احسان ہے۔ نعمت ایمان کے بارے میں بہت سوچا جائے تاکہ ایمان میں ترقی ہوتی رہے اور خاتمہ ایمان پر ہو، ترقی خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے اتنا تو سب کہتے ہی ہیں کہ خاتمہ ایمان پر ہو، ترقی تو مسلمان نہیں چاہتے، اس لیے نہیں چاہتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایمان میں اگر ترقی ہوگی تو گناہ چھوڑنے پڑیں گے، بغیر گناہ چھوڑے ترقی ہوگی نہیں اور گناہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں،

اس لیے تو کہتے ہیں کہ ترقی نہ ہو، ترقی تو دنیا میں ہوتی رہے، البتہ اس پر سب کہیں گے کہ خاتمہ ایمان پر ہو جیسا بھی ہو مگر ایمان پر ہو یہ تو سب کا خیال ہوتا ہے تو ایسا نسخہ کیوں نہ استعمال کیا جائے کہ ترقی بھی ہوتی رہے اور خاتمہ بھی ایمان پر ہو، وہ یہی ہے کہ ایمان کی نعمت کا استحضار کر کے الحمدللہ کہا جائے سات بار اس پر روزانہ کہیں، سب سے پہلے نعمت ایمان اس کے بعد دوسری نعمتیں، اسے اپنے وظیفے میں داخل کر لیجیے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (۱۴-۷)

جس نعمت پر شکرادا کرو گے میں اس نعمت میں ضرور زیادتی کروں گا، اتنے بڑے حاکم، اتنے بڑے قادر، اتنے بڑے مختار اور قسم اُٹھا کر فرما رہے ہیں، لام تاکید جو ہے وہ جوابِ قسم ہوا کرتا ہے، لامِ تاکید ہے، نون ثقیلہ ہے، قسم یہاں محذوف ہے، تو قسمیں اُٹھا اُٹھا کر تاکیدوں کے ساتھ ضرور بالضرور، مگر آج کے مسلمان کو پھر بھی یقین نہ آئے۔

بندوں پر اللہ کی رحمت:

کلام کی بلاغت یہ ہوتی ہے کہ متکلم اپنے مقام کے لحاظ سے بولتے ہیں اسے کلام کی بلاغت کہتے ہیں اور دنیا میں دستور یہ ہے کہ جتنا کسی کا بلند مقام ہوتا ہے، وہ اپنے مقام میں تاکیدیں نہیں لاتا قسمیں نہیں اٹھاتا وہ تو ذرا سا کہہ دے کہ ہو جائے گا تو بس! اتنے بڑے شخص کا کہا ہوا ہے۔ اگر اس سے کہو کہ ذرا اچھی طرح بتاؤ تو کہے گا کہ نالائق! نکل جاؤ یہاں سے تمہیں ہم پر اعتماد نہیں، تو دنیا میں جتنا اونچا مقام ہوتا ہے، کمشنر ہو وہ ذراسی تاکید کرے، یا حاکم وقت کا تو یہ کہہ دینا کہ توقع ہے شاید ہو جائے وہ ''شاید'' کہہ دے کہ آپ کا کام شاید ہو جائے گا تو اُس کا شاید کہنا بھی چھوٹے لوگوں کی قسموں سے زیادہ مؤکد ہے، چھوٹے لوگ ہزار قسمیں اُٹھائیں، اور صاحب مقام شاید کہہ دے تو وہ اس سے زیادہ قابل اعتبار ہوتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقام تو سب سے بلند ہے، دنیا کے حکام تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو پھر اللہ تعالیٰ اتنی قسمیں اُٹھا رہے ہیں، قسمیں اُٹھا اُٹھا کر فرما رہے ہیں، تاکیدیں فرما فرما کر، نون ثقیلہ ہے، لامِ تاکید ہے کس طرح تاکیدوں پر تاکیدیں کر کر کے بیان فرما رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ اپنے مقام سے اُتر کر کیوں فرما رہے ہیں؟ بلاغت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ بلاغت میں کہیں تو مقامِ متکلم دیکھا جاتا ہے اور کہیں حالتِ مخاطب کو دیکھا جاتا ہے، اگر متکلم تو ہو بہت اونچے مقام پر، تو قسم اُٹھانا، تاکید سے کہنا، بار بار کہنا، یقین دلانے کی کوشش کرنا متکلم کے مقام کے مناسب تو نہیں، یہ تو بہت گری ہوئی بات ہے مگر مخاطب ایسا نالائق ہے کہ اُسے یقین آتا ہی نہیں تو پھر کیا ہوگا۔ اگر متکلم کو اس مخاطب کے ساتھ محبت نہیں، وہ تو اسے کان سے پکڑ کر نکال دے گا کہ ہم نے اپنے مقام کے مطابق کہہ بھی دیا پھر بھی یقین نہیں، جاؤ نالائق! مگر جس متکلم کو مخاطب کے ساتھ محبت بھی ہو، وہ تو اپنے مقام سے ہٹ کر بھی باتیں کرے گا کہ یہ کسی نہ کسی طریقے سے بچ جائے، ارے! اس کی خاطر تو ہم نے اپنے مقام کو بھی قربان کر دیا ہے، مقام سے ہٹ کر بات کی، تو کیا رحمت ہے اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر، ایسے نالائق بندوں کو یقین دلانے کے لیے کہ انہیں یقین نہیں آتا، اتنا بڑا **ذوالجلال والاکرام** قسمیں اُٹھا کر اور تاکید کے ساتھ فرما رہا ہے، دنیا میں کوئی بادشاہ کی بات پر یقین نہ کرے تو وہ اسے سزا دے گا، عہدے سے معطل کر دے گا۔ مگر اس کا بیٹا اس سے کوئی بات طلب کر رہا ہو، بادشاہ بیٹے سے کہہ رہا ہے کہ ہاں اس طریقے سے یہ کام ہو جائے گا مگر وہ بیٹا بھی نالائق کہ اسے یقین نہیں آتا تو بادشاہ اپنے بیٹے کو نہ موت کی سزا دے گا اور نہ ہی اپنے بیٹے کو نکالے گا، نہ اس کے مطالبے کو رد کرے گا بلکہ محبت کے ساتھ سمجھائے گا کہ تمہارا مطالبہ پورا ہو جائے گا، کوئی بات نہیں ہو جائے گا، ہزار بار بھی کہنا پڑے بیٹے کے لیے تو اپنے مقام سے ہٹ کر بات

کرے گا اپنے مقام کو قربان کر دیتا ہے بیٹے کی محبت میں۔ تو جو سرچشمہ محبت ہے اس کی محبت کا کیا عالم ہوگا؟ بندوں کی محبت میں وہ قسمیں اُٹھا رہے ہیں، تاکید پر تاکید کر رہے ہیں، اثر تو تب ہی ہو جب کہ کچھ غور کریں۔

قرآن کا حق:

میں جب تلاوت کرتا ہوں اس وقت بھی اور دوسرے اوقات میں بھی بار بار خیال ہوتا ہے کہ ہم نے قرآن کا کیا حق اداء کیا ہے، سوچتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں کی دعوت دے رہے ہیں، احکام کو چھوڑیے اس لیے کہ احکام پر عمل تو جب ہی ہوگا کہ قرآن میں بتائے گئے نسخوں کو استعمال کیا جائے، نسخے کیا بتائے گئے ہیں؟ زمین و آسمان میں تدبر و تفکر کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنا، اللہ کی قدرتِ قاہرہ کا مطالعہ کرنا، ایسی چیزوں کو سوچتے رہنا چاہیے۔ اِس قرآن میں احکام تھوڑے سے ہیں اور نصیحتوں سے بھرا پڑا ہے، اگر تمام احکام کو جمع کیا جائے تو میرے خیال میں دو تین صفحے ہی بنیں گے، احکام یہی ہیں، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، حرام، حلال، نکاح، طلاق، میراث وغیرہ۔

جو جو چیزیں قرآن بیان کرتا ہے انہیں پڑھ تو لیتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ جو کہہ رہے ہیں کہ یہ دیکھو! یہ دیکھو! مگر پھر بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلتیں، **اَلَمْ تَرَ، اَلَمْ تَرَوْا، اَلَمْ يَرَوْا، اَوَلَمْ يَرَوْا، اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا، هُوَالَّذِىْ، وَاللّٰهُ اَنْزَلَ،** جہاں کہیں ہر جگہ پر ارے! ہماری یہ قدرت، ہماری یہ قدرت، ہمارے یہ احسانات ہمارے یہ احسانات اور ساتھ ساتھ نشتر بھی لگائے جاتے ہیں، ہم جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں، دعوتِ فکر اور تدبر دے رہے ہیں، اِس سے نصیحت وہ حاصل کریں گے جن میں عقل ہے، یہ بیدار کرنے کے لیے نشتر لگا رہے ہیں، تم بڑے عقل کے مدعی ہو اگر تم لوگ اس میں غور نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ عقل کا دعویٰ غلط ہے، عقل ہے ہی نہیں، دماغ میں گوبر بھرا ہوا ہے، عقل سے دماغ خالی ہے، کہیں...... **اُولِى الْاَلْبَابِ**ο کہیں...... **اُولِى الْاَبْصَارِ**ο

فرمارہے ہیں، بار بار متوجہ فرمارہے ہیں، اس چیز کو سوچو! اس چیز کو دیکھو! کیا یہ تمہیں نظر نہیں آتا، کیا ہماری یہ رحمت نظر نہیں آتی، کیا ہماری یہ قدرت نظر نہیں آتی، بار بار کہہ رہے ہیں، ہر شخص سوچے کہ جب اِن آیات پر گزرتے ہیں کہیں بھی، **اَلَمْ تَرَ، اَلَمْ یَرَوْا،** جہاں بھی **ھُوَ الَّذِیْ** آئے گا، یا **اَلَّذِیْ** آئے گا، یا **وَاللّٰہُ** آئے گا، تو بس وہ سار انعمتوں کا بیان ہے، کہیں قدرتوں کا بیان ہے کہیں نعمتوں کا بیان ہے، کہیں انقلابات کا بیان ہے، کہیں دنیا کی فنائیت کا بیان ہے، مختلف مثالوں سے بار بار بیان فرمایا، اتنا بڑا قرآن جو ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں جاتی خیال ہی نہیں جاتا اور جب خیال نہیں، توجہ نہیں تو اثر کیا ہوگا، اسے کس بات پر یقین آئے گا، جن چیزوں سے جن آیات میں یقین دلانا چاہتے ہیں، قسمیں اُٹھا رہے ہیں مگر اس نے تو کان اور آنکھیں بند کر رکھی ہیں اسے بات کیسے سمجھ میں آئے، اسے کیسے یقین آئے۔

نعمت میں ترقی کا نسخہ:

فرمایا: **لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ** ہر وہ نعمت جس پر شکر اداء کرتے رہو گے، تمہیں اس میں ترقی دیں گے، ایمان کے نور میں، اعمال میں اور ایمان کے دوام میں، کمال اور دوام شامل ہو جائے، اور اُس نعمت کو دوام رہے، مرتے دم تک، یہ ترقی ہے اور ترقی کا یہی نسخہ ہے کہ خاص طور پر ایمان کو سوچ کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اداء کیا جائے، اسی طرح سے نیک اعمال پر شکر اداء کیا جائے، نیک اعمال کی جتنی توفیق ہوگئی اس پر شکر اداء کیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری نہ ہوتی تو جو کچھ ہم کر پا رہے ہیں، اتنا بھی نہ کر سکتے، یہ صرف اُن کا کرم ہے اور اُن کی دستگیری ہے، اس پر بھی شکر اداء کیا جائے۔ جب شکر اداء کریں گے تو ساتھ ساتھ یہ نیت بھی رکھیں، دُعاء بھی کر لیا کریں کہ یا اللہ! تیرا تو وعدہ ہے کہ جو شکر اداء کرتا ہے اسے ترقی ہوتی ہے، ہم تو شکر کر رہے ہیں، ایمان میں ترقی عطاء فرما، اعمال میں ترقی عطاء فرما، استمرار اور دوام نصیب فرما، ساتھ ساتھ یہ دُعاء

بھی ہوتی رہے۔

ایک اشکال:

ایک اشکال خلجان کے طور پر دل میں کئی سالوں سے آرہا تھا، مگر اس کی طرف توجہ اس لیے نہیں کی، بہت سے ایسے خلجان دل میں آتے ہیں مگر توجہ نہیں دیتا کہ مالک کے کام میں لگے رہو، کوئی جائز ناجائز کا مسئلہ ہو تو اسے حل کرنا ضروری ہو جاتا ہے، کیا یہ ضروری ہے کہ ہر بات کو سمجھنے کی کوشش کریں اللہ جانے اُن کے ارشادات میں کتنی حکمتیں کتنی مصلحتیں ہیں، ان کی مرضی ہوگی تو کبھی بتا دیں گے، اُن کی رضا کی طلب میں لگے رہیں۔

آج عصر میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے وہ خلجان رفع فرما دیا جو کئی سال سے تھا۔ اشکال یہ تھا کہ شکرِ نعمت سے قناعت پیدا ہوتی ہے اس پر تو کئی دفعہ بیان ہو ہی چکا ہے، شکرِ نعمت کے خواص میں سے اِس کے آثار میں سے یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں حرص کی بجائے قناعت پیدا ہوتی ہے یہ دنیوی نعمتوں میں تو ٹھیک ہے، نعمتوں کا کبھی استحضار کرے گا، سوچے گا، تو حرص دل سے نکلے گی، قناعت پیدا ہوگی، اور اگر دینی نعمتوں کو سوچنے لگا، تو اس میں خدشہ ہے کہ جو لوگ نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہیں آتے اور یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم کم از کم فرض تو پڑھ ہی لیتے ہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈالی کہ شکرِ نعمت کی اصل حقیقت اور روح یہ ہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی ہے اس کی قدر کی جائے۔ سوچا جائے کہ مجھ پر اتنے احسانات کیے ہیں۔

قدرِ نعمت کی ایک مثال:

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب کہیں سے ایک ہزار روپے تنخواہ کی پیش کش

آئی تو جواب میں فرمایا کہ دس روپے ماہانہ ایک مکتبہ میں تصحیح کرنے کے ملتے ہیں پانچ روپے ہمارے گھر کے مصارف میں آجاتے ہیں اور پانچ روپیہ طلبہ کو دے دیتا ہوں، اور وہ دماغ پر بوجھ رہتا ہے کہ کس کو دوں؟ اور آپ کے یہاں ہزار روپیہ تنخواہ ہوگئی تو پانچ روپیہ میرے گھر کے مصارف کے ہوگئے اور نو سو پچانوے روپے میں کیا کروں گا، بھئی اتنا میرے اندر تحمل نہیں۔ اس پر یہ اشکال ہوگا کہ کسی کو دینا کیا مشکل ہے تو اس پر بتارہا ہوں، قدرِ نعمت کہ کسے دینا ہے، کتنا دینا ہے، اس کا مصرف صحیح ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت جتنی بڑھتی چلی جاتی ہے تو ایسے نہیں کہ جدھر چاہا پھینک دیا، سوچنا چاہیے کہ یہ نعمت ہے۔

بعض خصائل میں التباس:

بخل اور قدرِ نعمت میں التباس ہوجاتا ہے، اسی طرح سے سخاوت اور ناقدری میں التباس ہوجاتا ہے، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، نعمت کی قدر ہے تو اگر چنے کا دانہ بھی گر گیا تو وہ اسے تلاش کرے گا، کہاں گر گیا اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی کہیں ضائع نہ ہوجائے، اور اگر بخل ہوگا تو وہ بھی ایسا ہی کرے گا دیکھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں عمل بھی ایک جیسا ہے مگر حقیقت میں ایک فرعونیت ہے اور دوسرے میں صفتِ محبوب پائی جاتی ہے۔ اسی طرح بظاہر دیکھنے والے کہیں گے کہ بڑا سخی ہے، اور جسے نعمت کی قدر نہ ہو وہ بھی یوں ہی کیا کرتا ہے، بظاہر دیکھنے میں ایک جیسے ہیں لیکن دونوں کی روح میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسی لیے کسی مصلح سے تعلق کی ضرورت ہے، وہ دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ اس میں سخاوت نہیں نعمت کی ناقدری ہے اور کوئی کسی چیز کو بچانے کے لیے بہت کوشش کررہا ہے تو وہ پہچان لیتا ہے کہ یہ بخیل نہیں بلکہ نعمت کی قدر کررہا ہے۔ جیسے جیسے انسان میں فکر پیدا ہوتی ہے، تو عقل میں صلاحیت پیدا ہوتی جاتی ہے، خود بخود انسان میں امتیاز پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک عام بات ہی بتادوں جس میں لوگ روزمرہ مبتلا رہتے

ہیں، آپ لوگ گھروں میں بتی جلاتے ہیں تو وہ بغیر ضرورت کے جلتی ہی رہتی ہے، پنکھا چلادیا تو چلتا ہی رہتا ہے کچھ معلوم نہیں ہوش ہی نہیں اور اگر کوئی مسکین ہو تو اسے ایک پیسا نہیں دیں گے۔ خود اپنی بتی جلاکر یومیہ پندرہ، بیس روپے خرچ کردیں گے لیکن مسکین کو نہیں دیتے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ نعمت کی ناقدری کے طور پر یہ بتی جل رہی ہے، نعمت کو کیوں ضائع کررہے ہیں، نہ آپ کے کام کی نہ کسی اور کے کام کی تو کیوں ضائع کررہے ہو، جہاں ایک بتی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں دو جلادیتے ہیں۔ میں نے اچھے اچھے دین دار لوگوں کو دیکھا ہے ان چیزوں کا خیال نہیں کرتے اور کوئی منع کرے تو کہیں گے، کیسا بخیل ہے، جو شخص ہزاروں روپے اللہ کی راہ میں خرچ کررہا ہو وہ دو بتی کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتا؟ تو دو بتی سے کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ ایک دو روپے یومیہ خرچ ہوجائیں گے۔ نعمتوں کی قدر دانی یہ ہے کہ مصرف صحیح تلاش کرے، مصرف کو تلاش کرنے میں بے شک جتنا سوچنا پڑے، جتنا وقت صرف ہو، یہ سمجھے کہ یہ قدر نعمت میں خرچ کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہا ہوں یہ غور و فکر نفل پڑھنے سے زیادہ بڑی عبادت ہے، یہ جو نعمت آگئی اِسے کہاں خرچ کروں اِسے سوچنا نفل عبادت سے زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ فرض ہے اور نفل پڑھنا نفل ہے، کوئی چیز ضائع نہ جائے اور اگر غیر مصرف کو دے دیا تو وہ بھی ایک قسم کا ضائع کرنا ہی ہے۔ آخرت کی بھی یہی مثال ہے اگر کوئی عمل اچھا ہو تو پھر اس کی قدر یہی ہے کہ اُس میں ترقی کی کوشش ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شاکر بنادے، **قولاً، قلباً، لساناً،** ہر طرح سے، اللہ تعالیٰ ہمارے اعضاء کو بھی شکرِ نعمت کی توفیق عطاء فرمائیں، زبان کو بھی شکر کی توفیق نصیب فرمائیں، اور دل کو بھی شکر کی توفیق عطاء فرمائیں۔

شکرِ نعمت کے فائدے:

ایک صاحب ہمیشہ یہ کہتے رہتے تھے کہ تعویذ دے دیں، تعویذ دیجیے، کئی بار دیا، مگر

وہ جب بھی ملتے تو کہتے کچھ پڑھنے کے لیے بتا دیجیے، اُن کی دُکان پر کبھی کبھار جانا ہوتا ہے، ماشاء اللہ اچھی خاصی دُکان چل رہی ہے، ایک بار مکان پر جانا ہوا تو گاڑی بہت اچھی، پہلے موٹر سائیکل ہوتا تھا، اب گاڑی بھی ہے، اور بہت عالی شان بنگلہ بھی، یہ کیا بات ہے؟ سب کچھ ہے، تو میں نے سوچا کہ انہیں مرض کچھ اور ہے، انہیں بتادیا کہ سات مرتبہ روزانہ الحمدللہ! کہا کریں، تو الحمدللہ کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد انہوں نے تعویذ نہیں مانگا۔ مالی ترقی، عزت کی ترقی، صحت کی ترقی، ہر نعمت میں ترقی کا نسخہ یہ ہے کہ اس پر الحمدللہ کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کریں، شکرِ نعمت سے قلب میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ ایک فائدہ یہ کہ دنیا کی ہوس کو لگام لگتی ہے اور قناعت دل میں پیدا ہوتی ہے، دوسرا فائدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اطاعت کی توفیق ہوگی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کرتے ہوئے شرم آئے گی اور جن چیزوں کی قلت کی آپ کو شکایت ہے اُس کا نسخہ تو قرآن میں یہی ہے کہ: **لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ** میری نعمتوں پر شکر ادا کرو، میں اس نعمت میں ترقی عطاء کروں گا۔ اتنے فائدے ہیں، شکرِ نعمت کے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شکرِ نعمت عطاء فرمائیں اور اُس پر جتنے وعدے ہیں، سب عطاء فرمائیں۔

شکر کی حقیقت:

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑیں پہلے شاکر بنتا ہے دل، دل شاکر بن جائے تو تمام جسم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو نکال پھینکتا ہے۔ آج کا مسلمان ایک تو شکر ادا کرتا ہی نہیں اور اگر کوئی کرے گا بھی تو الحمدللہ! الحمدللہ! کی رٹ تو لگادے گا لیکن اللہ کی نافرمانی نہیں چھوڑتا وہی جیسے مطاف کے کنارے پر ایک آلو کھڑا ہوا تھا اور اس نے الحمدللہ! الحمدللہ! کی رٹ لگا رکھی تھی۔

مطاف کے کنارے پر ایک آلو کھڑا ہوا تھا، آلو ہم اسے کہتے ہیں جو ڈاڑھی منڈاتا

ہے۔ انہیں اللہ کے گھر پہنچ کر بھی اللہ سے شرم نہیں آتی وہاں بھی باغیوں کی صورت لے کر پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں مطاف میں ایک آلو ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا اور رو بھی رہا تھا اور ایک رٹ لگائی ہوئی تھی الحمدللہ! الحمدللہ! الحمدللہ! ارے عشق میں مرا جارہا ہے اور صورت اللہ کے دشمنوں کی بنا رکھی ہے! میں طواف کر رہا تھا جب بھی اس کے قریب سے گزرتا تو اس کے لیے دُعاء کرتا کہ یا اللہ! اسے ہدایت دے یہ تجھے یہاں آ کر بھی فریب دے رہا ہے اسے ہدایت دے۔ یاد رکھیے! صرف زبانی الحمدللہ کہنے سے کچھ نہیں ہوتا دل شاکر بن جائے دل، دل شکر گزار بن جاتا ہے تو پورے جسم سے نافرمانیاں چھوٹ جاتی ہیں۔ جب تک نافرمانی نہیں چھوٹتی زبان سے الحمدللہ! الحمدللہ! کی رٹ لگاتے رہیں، ہزاروں تسبیحات پڑھ لیں وہ اللہ سے فریب کر رہے ہیں ان کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے۔

بدوی کا قصہ:

وہ بدوی کے کتے والی بات ہے۔ ایک بدوی کا کتا مر رہا تھا وہ بدوی بیٹھا ہوا رو رہا تھا کسی نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ میرا کتا مر رہا ہے مجھے اس کے ساتھ بڑی محبت ہے اس کی جان میں میری جان ہے یہ مر گیا تو گویا میں مر جاؤں گا۔ بہت رو رہا تھا، قریب میں ایک بورا بھرا رکھا تھا کسی نے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ کہتا ہے کہ اس میں روٹیاں ہیں۔ پھر پوچھا کہ کتا کیوں مر رہا ہے؟ کہتا ہے کہ بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے۔ ارے! کتا بھوکا مر رہا ہے، روٹیوں کا بورا بھرا رکھا ہے اور کتے کے عشق میں تو بھی مر رہا ہے تو یہ بورا روٹیوں کا کون کھائے گا؟ تو بدوی نے کہا کہ بات یہ ہے کہ آنسو بہانا آسان اور روٹی کا ٹکڑا دینا مشکل اس لیے خواہ کتا مر جائے کوئی بات نہیں روٹی کا ایک لقمہ بھی نہیں دوں گا۔ ایسے ہی آج کل کا مسلمان ہے آنسو بہا بہا کر الحمدللہ! الحمدللہ! کہہ دینا آسان اور اللہ کے احکام پر عمل کرنا مشکل، کم سے کم صورت ہی مسلمان

کی بن جائے، دل سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ سے نفرت نکل جائے کم سے کم اتنا ہی کر لے، کہتے ہیں کہ یہ بڑا مشکل ہے۔ الحمدللہ کی تو ہزاروں تسبیحات پڑھ لیں گے اللہ کی نافرمانی چھوڑنے میں انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے ایسے لگتا ہے ان کی گردن پر کسی نے تلوار رکھی ہوئی ہے کہ خبردار جو اللہ کی نافرمانی چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا فرمادیا تو اللہ کی وہی رحمت ہو جائے کہ انہیں زبردستی مسلمان بنادے تو ہی ہوگا ورنہ یہ ویسے تو مسلمان بننے پر تیار نہیں یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ کر انہیں ٹھیک کریں گے۔

یہ بات خوب یاد رکھیں کہ شکر کی حقیقت اور روح یہ ہے کہ منعم کا محسن کا فرماں بردار بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کریں سوچتے رہنے سے اللہ تعالیٰ سے محبت کا تعلق پیدا ہوگا اور جتنا زیادہ نعمتوں کو سوچیں گے محبت بڑھتی رہے گی تعلق بڑھتا رہے گا، شکر نعمت بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطاء فرمائیں۔

وصل اللّٰھم وبارک وسلم علیٰ عبدک ورسولک محمد وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین والحمدللّٰہ رب العلمین.

اضافہ از جامع

جن حضرات کو حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجالس میں شرکت کا موقع ملا اور جنہوں نے حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے احوالِ مبارکہ کا مشاہدہ کیا وہ جانتے ہی ہیں کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ شکرِ نعمت کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ مجھے جو اللہ تعالیٰ نے وسعت مالیہ سے نوازا ہے اور اُمورِ خیر میں فراخ دلی سے خرچ کرنے کی توفیق عطاء فرمائی ہے اس سے بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ شاید میرے بچے مالی تعاون کرتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، بحمد اللہ تعالیٰ میرے پاس ان سے کئی گنا زیادہ خزانے ہیں۔ مجھ پر فتوحات ربانیہ اور مال و دولت کی شب و روز موسلا دھار بارش کے اسباب یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ پر اعتماد۔

② غیر اللہ سے استغناء۔

③ شکرِ نعمت۔

④ حاجت سے زائد مال اُمورِ خیر میں خرچ کر دیتا ہوں جمع نہیں کرتا۔

یہ چار نمبر میں نے وضاحت کے لیے بتا دیئے ہیں ورنہ درحقیقت ان سب کی بنیاد صرف شکرِ نعمت ہی ہے، باقی تینوں چیزیں اسی شکر نعمت سے پیدا ہوتی ہیں۔ میں مجالسِ علماء و جامعات اسلامیہ میں اپنی وسعتِ مالیہ کا ذکر اس لیے کرتا رہتا ہوں کہ علماء مجھ سے نسخۂ کیمیا حاصل کر کے مخلوق کے دروازوں کی خاک چھاننے سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نسخہ استعمال کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور نافع بنائیں۔

حضرت اقدس کو کتنی ہی شدید تکلیف ہو حتی الامکان دوسروں پر ظاہر نہیں ہونے

دیتے تھے، فرماتے کہ شب وروز اس منعم ومحسن کی بے حد وحساب نعمتیں استعمال کرتے ہیں اگر کبھی کوئی تکلیف پیش آجائے تو وہ محبت کی چٹکی ہے اس کا اظہار کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال مبارک یہ تھا ؎

راضی برضا ہوں تو سکون ابدی ہے
ہر درد میں آرام ہے ہر غم میں خوشی ہے

آخری ایام میں حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال:

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے آخری ایام میں جن خادم کو خدمت کی سعادت نصیب ہوئی وہ بتاتے ہیں کہ ایک دن ایک صاحب حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور انہوں نے سلام کہہ کر مصافحہ کیا تو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خیریت معلوم کرتے ہوئے فرمایا کیا حال ہے؟ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے اپنی خیریت یوں بیان فرمائی کہ دیکھیے میں کتنے مزے میں ہوں نا؟ اپنے حجرے میں ہاتھ گھماتے ہوئے فرمایا کہ یہ چھوٹا سا ہسپتال ہے ہر قسم کی راحت میسر ہے پھر ہماری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ دیکھیے کتنے اچھے اچھے خدمت گار بھی ہیں جو کہتا ہوں پورا کردیتے ہیں جنت کے غلمان کی طرح ہیں۔ ان صاحب کو یہ سب باتیں اور جواہر پارے سن کر خود تو کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی بس کانپتے ہوئے گویا ہوئے کہ حضرت والا سے دُعاؤں کی درخواست ہے۔ آپ نے فرمایا دل سے دُعاء کرتا ہوں اور پھر وہ صاحب مصافحہ کرکے رخصت ہوئے۔ ہم لوگ ان صاحب کے بدن کی کپکپاہٹ آنکھوں میں ڈبڈباتے آنسو اور چہرے کی متغیر رنگت سے ان کے دل کی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا رہے تھے اور اس حقیقت کو بھی سمجھ رہے تھے کہ حضرت والا نے انہیں عیادت کے لیے آنے کی اجازت کیوں مرحمت فرمائی تھی یقیناً ان صاحب کو سالہا سال کتابوں میں مغز کھپانے اور ہزاروں کتابوں کے مطالعہ کے بعد بھی شکر کی

حقیقت کا یہ مفہوم شاید سمجھ میں نہ آیا ہوگا جو چند لمحوں میں ان کے دل کی گہرائیوں میں جا پہنچا کیوں کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہر ہر جملے کے ہر ہر حرف سے شکر، شکر اور صرف شکر ہی اداء ہورہا تھا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو جس نے بھی کبھی اور کسی زمانے میں بھی دیکھا ہو اس کے لیے یقیناً آپ کی آخری علالت کے ایام میں دیکھنا ناقابل تحمل تھا کیوں کہ آپ تراسی سال کی عمر میں بھی ارادوں میں مضبوطی اور عزائم میں وہ جوانی رکھتے تھے جو آج کے بیس سالہ نوجوان کو بھی حاصل نہیں، اس وقت اکابر بزرگوں اور علماء میں سب سے اچھی صحت حضرتِ والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تھی جو دیکھتا تھا عش عش کرتا تھا اس وجہ سے ایامِ علالت میں دیکھنے والوں کی پریشانی فطری تھی جس کا ازالہ حضرتِ والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے صبر وشکر سے ہوجاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرتِ والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور ہمیں ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنادیں۔ آمین

کیا آپ جانتے ھیں

◎ — آج گھر گھر لڑائی اور دنگا فساد کیوں برپا ہے؟

◎ — ہماری نوجوان نسل مادر پدر آزاد، اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری، بے راہ روی کی دوڑ میں تمام حدود کیوں پھلانگ چکی ہے؟

◎ — میاں بیوی، اولاد و والدین اور استاذ و شاگرد آپس میں دست و گریبان کیوں ہیں؟

◎ — ہم پر انواع و اقسام کے امراض، آفات و بلیات اور حوادث کی بہتات کیوں ہے؟

◎ — ہر قسم کے اسبابِ راحت اور دُنیوی آسائشوں کے باوجود لوگ زندگی سے تنگ اور آمادۂ خودکشی کیوں ہیں؟

◎ — اگر آپ ان سوالوں کا جواب جاننا چاہتے ہیں ———— تو

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

کے مطبوعہ مواعظ کا مطالعہ کیجئے، جن کو پڑھ کر اب تک لاتعداد مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آ گیا، اَن گنت نوجوانوں کی صورتیں سُنّتِ نبویہ کے سانچے میں ڈھل گئیں، بے شمار آوارہ گرد بے پردہ خواتین شرعی پردہ کی پابند بن گئیں اور دربدر دھکے کھانے والے پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں زائل ہو گئیں۔ یہ مواعظ ملک و بیرونِ ملک تقریباً بارہ مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان مواعظ میں بیان کئے گئے تیر بہدف نسخے ہر مسلمان کے تمام امراض اور پریشانیوں کا شافی علاج ہیں۔ نیز مختلف موضوعات پر حضرت والا کے گراں قدر مواعظ کی کیسٹیں بھی مندرجہ ذیل پتہ پر دستیاب ہیں۔

ملنے کا پتا: کتاب گھر ناظم آباد ۴ کراچی ۱۸

فون 021-6602361, 021-6623814